ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

احمد فراز کے منظوم ڈرامے

1.ڈاکٹر عائشہ سلیم
2 .حافظ عبد الحئ مزمل
3 .محمد حسن فرید

Abstract:
Ahmad Faraz is well known personality of Urdu literature. He was famous as a poet, translator, journalist, script writer and director. He was elected head of the "Academy of Literature" in 1976. He was associated with Iqbal Academy from 1980 to 1990 as the Director General. He was the editor of the monthly magazine "Ishtiqaq" and the weekly "Khadim". Ahmad Faraz wrote thirteen collections of poetry the mames of which are follows:
"Thanha Tanha, Darde Ashoub, Nayaft, Shab-e-Khoon, Mare Khawab Razah Razah, Jana Jana, Be Awaz, Gali Kuchon Men, Sab Awazain Meri Hein, Nabina Shair me Aaina, Pas-e-Andaz-e-Mossom, Khawab -e- Gull Preshanhe, Ghazal Bahana Karon, Bodlik (Drama)" and Collection Poetry book "Shaher Sukhen me Arasta he, He was attached with Tarqi Pasand actuation. His poetry gives the message of humanity and against the cruelty. He got "Noble Prize in 1966 on his poetry book "Dard-e- Ashobe".
***Keywords**: Ahmad Faraz, Pakistani, Poet, Translator, Journalist, Director, Transcript Writer.*

لفظ ڈرامہ یونانی زبان کے لفظ "ڈراؤ" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "کر کے دکھانا"۔ عرف عام میں ڈرامہ سے مراد کسی کہانی پر عمل کر کے دکھانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا ایک سٹیج ہے، تمام بنی نوع انسان اپنا اپنا مخصوص کردار لے کر اس سٹیج پر نمودار ہوتے ہیں اور اپنا کردار ادا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ڈرامہ دنیا کے سٹیج کی نقالی کرتا ہے۔ یہ ادب و فن کا اہم شعبہ ہے۔ بادشاہ حسین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ادبیات عالم کی قدیم ترین صنف ڈرامہ ہی ہے۔ اُردو میں ڈرامے کے لیے تمثیل، ناٹک، یا سوانگ کے الفاظ مترادف کے طور پر مستعمل ہیں۔ ارسطو نے اپنی کتاب "بوطیقا" میں ڈرامے کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"ڈرامہ انسانی افعال کی ایسی نقل ہے جس میں الفاظ و موزونیت اور نغمے کے ذریعے کرداروں کو محو گفتگو اور مصروف عمل ہو بہو ویسا ہی دکھایا جائے جیسے کہ وہ ہوتے ہیں یا اس سے بہتر یا بد تر انداز میں پیش کیا جائے۔"1

مختلف ناقدین نے ڈرامہ کی تعریف اپنے اپنے انداز سے کی ہے، جیسا کہ سسرو(Cicero) کا کہنا ہے کہ

"ڈرامہ "زندگی کی نقل" رسم و رواج کا آئینہ اور سچائی کا عکس ہے"۔2

مرزا ادیب اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں کہ "ڈرامہ ایک ایسی کہانی ہے جسے سٹیج پر سٹیج کے لوازم کے ساتھ اداکاروں کے ذریعے تماشائیوں کی موجودگی میں پیش کیا جاتا ہے۔3۔

دراصل شروع ہی سے ڈرامے کا تصور شاعری ہی سے وابستہ تھا۔ یونانی ادب اور سنسکرت میں ڈرامہ صنف شاعری ہی کی شاخ ہے۔

بقول تاجور سامری "سنسکرت ادب میں "ڈرامہ" شاعری ہی کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے"۔4

اُردو ادب میں امانت لکھنوی کے منظوم ڈرامے "اندر سبھا" سے بھی ڈرامہ نگاری کی ابتداء ہوتی ہے یوں اُردو ڈرامہ کے آغاز و تاریخ میں بھی شاعری کا بڑا کردار ہے۔ صنفِ ڈرامہ نگاری میں فراز کا کام بھی قابل تحسین ہے۔ وہ نہ صرف ایک معروف و مقبول شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے ڈراموں میں بھی اس کے بہترین شاعر ہونے کا تاثر موجود ہے۔ اس اعتبار سے اسے منظوم ڈرامہ نگار ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ در حقیقت اس کے ڈراموں نے اس کے ہم عمر ڈرامہ نگاروں اور علمی و ادبی فضا میں اسے اہم مرتبہ عطا کیا ہے۔ اس نے جتنے بھی ڈرامے تحریر کیے وہ نہایت ہی مقبول ہوئے۔

فراز کے ڈراموں میں نہ صرف اس کا اجتماعی کمالِ فن موجود ہے بلکہ وہ ایک سماجی ڈرامہ نگار ہونے کی حیثیت سے زندگی کے حقائق کو پوری شعوری کاوش اور پورے کمال جوہر سے پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ فراز کے ڈراموں میں صرف فراز کا حوالہ یا کار کردگی اس کے ڈرامہ نگار کی حیثیت سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ڈراموں کے تمام تر کردار خود بخود عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کہانی کو خود لے کر چلتے ہیں۔ نہ کہ انھیں کہانی لے کر چلتی ہے۔ اس طرح یہ کردار ایک ایسے سفر پر گامزن ہیں جہاں امید کی نئی شمعیں روشن ہو کر منزل کا پتہ دیتی ہیں۔ اکثر اوقات ان کے یہ کردار ایک ایسے سفر پر گامزن ہیں جہاں امید کی نئی شمعیں روشن ہو کر نئی منزل کا پتہ دیتی ہیں۔ کئی بار ان کے یہ کردار اپنی ذات کی تکمیل میں محو نظر آتے ہیں۔ کبھی تو وہ بہت آسانی کے ساتھ چلتے چلتے اپنا رُخ بدل دیتے ہیں تو کبھی اپنی ایک حرکت سے تمام تر مناظر۔

یہ فراز ہی کا کمال ہے کہ اس نے انسانوں اور انسانی زندگی کا باریک بینی اور گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ اصغر ندیم سید کے مطابق زندگی ایک سمندر کی مانند ہے۔ اس میں جو جتنی گہرائی سے غوطہ لگاتا ہے وہ اسی قدر زندگی کے رازوں اور بھیدوں کے موتی حاصل کر پاتا ہے۔ فراز کا بھی یہی حال ہے اس نے بھی گہرے بحر زندگی میں گہرا غوطہ لگایا ہے۔

---

1. اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی لاہور
2. ڈائریکٹر رفاہ پبلک سکول اینڈ کالج لاہور
3. ایم۔فل سکالر، شعبہ زبان و ادبیات اُردو جامعہ پنجاب لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

فراز کا اپنا ہی ایک منفرد تخلیقی مزاج اور انداز ہے وہ باطنی اور پوشیدہ مفاہم زندگی کا باریک بینی سے مشاہدہ کر کے حقیقت کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ اس حقیقت نگاری میں کہیں کہیں فراز کی زندگی کی جھلکیاں بھی موجود ہیں۔ **ڈاکٹر موہن سنگھ فراز کی شاعری سے متعلق لکھتے ہیں:**

"یہ بالغ نظر ذہن کا شاعر ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ ہنگامی شاعری میں ڈائریکٹ ایکشن کا قائل ہے۔ یہ جدید اور قدیم علوم کی شاعری کا پل بھی ہے۔5

فراز ان مصنفین میں سے نہیں ہے جو اپنی علمیت دکھانے کے لیے برائے نام ڈرامے لکھتے ہیں بلکہ وہ تو ڈرامے کو حدِ تکمیل تک پہنچا کر زندگی اور اس کے حقائق کو بے نقاب بھی کرتا ہے۔ فراز کے فنِ ڈرامہ نگاری کی ابتداء اس کے مشہور منظوم ڈرامے "سپاہی اور موت" سے ہوتی ہے۔ جو کہ ان کے مجموعہ کلام "شبِ خون" میں شامل ہے۔ اس ڈرامے کا تصور اس نے تردد و سسکی سے لیا ہے۔

محبوب ظفر اس ڈرامے کی فکر و فن سے متعلق کہتے ہیں:

"اس ڈرامے کا مرکزی خیال ترادد و سکی سے لیا گیا ہے یہ ڈرامہ زندگی اور موت کے درمیان کشمکش پر مبنی ہے آخر موت ہار جاتی ہے اور زندگی ظفریاب ہوتی ہے لیکن اس ڈرامے کا خیال، پلاٹ اور کردار اتنے جاندار ہیں کہ مدتوں بھلائے نہ جا سکیں۔ ڈرامہ نگار نے نظم کے قواعد و ضوابط کی پابندی کے باوجود کہیں کسی لائن میں جھول نہیں آنے دیا۔ حیرت آخر تک برقرار رہی ہے۔ ڈرامہ پرت در پرت کھلتا ہے کچھ اس طرح کہ سننے والا اس میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔"6

سپاہی اور موت

اس ڈرامے کے ذریعے فراز نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ موت کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔ در حقیقت یہ ایک پر جوش غنائیہ ہے جہاں دراصل زندگی اور موت کی جنگ جاری ہے۔ آخر کار بہادر سپاہی کے ہاتھوں موت ہار جاتی ہے۔ موت خود اس نڈر سپاہی سے لڑتے لڑتے تھک گئی ہے اور مسلسل یہ الفاظ دہراتی ہے:

"میرے خنجر کو
مجھ سے چھینے لے جا رہے ہیں
یہ کیسے سپاہی ہیں کتنے نڈر ہیں
کہ میں تھک گئی اور وہ جا رہے ہیں مجھے مات دے کر مجھے مات دے کر

انہی الفاظ کو ادا کرتے کرتے موت منہ کے بل گر جاتی ہے اور ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں سپاہی اس بات سے گھبراتا ہے کہ کہیں موت جو کہ اس کی دشمن ہے، کہیں اس سے جیت نہ جائے۔ اسے دبوچ نہ لے۔ اگر وہ مر گیا تو اسے زندگی کھونے کا دکھ نہ ہو گا مگر موت کی جیت کا غم ضرور ہو گا۔ فراز نے سپاہی کا کردار ایک ایسے جنگجو کے طور پر پیش کیا ہے جو کہ نہ صرف انسانوں سے جنگ کر سکتا ہے بلکہ موت سے لڑ کر اسے ہرا بھی سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موت سے کسی کو فرار ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ڈرامے ترادد و سسکی اور ای ایس ایلیٹ کے خیالات اور نقطہ نظر سے اختلاف نہیں کرتا۔ یعنی موت کو انسان کے کاموں کے لیے رکنا ہو گا یا انتظار کرنا ہو گا۔ در حقیقت یہ ڈرامہ ترجمہ شدہ ہے مگر پھر بھی فراز نے اس میں کسی قسم کا جھول یا گنجائش پیدا نہیں ہونے دی۔

اس کے علاوہ فراز کے منظوم ڈراموں کی بات کریں تو 1972ء میں شائع ہونے والے مجموعے "میرے خواب ریزہ ریزہ" میں کل چار منظوم ڈرامے ہیں۔ "روشنیوں کا شہر"، "ساحل کی ریت"، موم کے پتھر" اور "آخر شب کے ہمسفر" ڈرامے تراجم کی ذیل میں نہیں آتے بلکہ انھیں فراز نے خود تخلیق کیا ہے۔

محبوب ظفر احمد فراز کی کتاب "میرے خواب ریزہ ریزہ" میں پیش کردہ ڈراموں سے متعلق مجموعی رائے دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ان کی کتاب "میرے خواب ریزہ ریزہ" بھی چار ڈراموں پر مشتمل ہے۔ یہ منظوم ڈرامے روشنیوں کا شہر، ساحل کی ریت، موم کے پتھر اور آخر شب کے ہم سفر، سب کے سب ریڈیو کے لیے لکھے گئے تھے۔ روشنیوں کا شہر چھ منظروں پر مشتمل ہے اور ہر منظر دعوتِ شنیدن دیتا ہے۔ ساحل کی ریت ایک مختصر ڈرامہ ہے جس میں سلیمان، ہمزاد، نبیلہ، خاتون اور آزاد جیسے کرداروں نے ایک سماں باندھ دیا ہے۔ موم کے پتھر میں بوڑھا، فریدوں، عالیہ اور سیاح مرکزی کردار ہیں۔7

قمر رئیس ان چاروں منظوم ڈراموں کو فراز کی طویل تمثیلی نظمیں قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک لفظ کا تعلق ہے تو تمثیل کے مترادفات میں سوانگ اور ناٹک بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر یہ تمثیل ہیں تو انھیں منظوم ڈرامے کہنا بے جا نہ ہو گا۔ ان چاروں ڈراموں میں تمام تر فنی لوازمات کو چابکدستی سے برتا گیا ہے۔

روشنیوں کا شہر

اس ڈرامے کا پلاٹ مکمل مربوط اور گٹھا ہوا ہے جبکہ کہانی کو بڑی مہارت سے اپنی مرضی کے مطابق نیا رُخ دیا گیا ہے لیکن پھر بھی کہانی میں کہیں بھی جھول نہیں آتا۔

جہاں تک اس ڈرامے کے کرداروں کا تعلق ہے تو یہ کل چھ کرداروں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے چار مرکزی کردار یعنی خالدہ، خالدہ کا بوڑھا باپ، خالدہ کی ماں آمنہ اور مصور ہیں۔ ان چاروں کرداروں کا اپنا اپنا موقف اور نقطہ نظر ہے۔ ہر کردار دوسرے سے اختلافِ رائے رکھتا ہے علاوہ ازیں دو ضمنی کردار بھی ہیں جو ڈرامے کے تاثر کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوئے ہیں، یہ خالدہ کی دو سہیلیوں کے کردار ہیں جو کہ اسے آرٹ گیلری میں ملتی ہیں اور خالدہ کے ۔۔۔ میں مگن ہونے اور اس کی محرومی تقدیر پر گفتگو بھی کرتی ہیں۔ کرداروں کے ساتھ ہی ان کی مکالمہ نگاری کا بھی فراز نے خوب خیال رکھا ہے۔ یہ مکالمے مکالماتی منظر کشی کی توانائی سے معمور فراز کے تخلیقی اظہار کی ترجمانی کرتے ہیں جبکہ اس ڈرامے میں خود کلامی کا عنصر کثرت سے موجود ہے۔

ڈرامے کا عنوان تو "روشنیوں کا شہر" ہے لیکن اس کا پس منظر تاریکی اور اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ایک ایسے دریچے کو پیش کرتا ہے جہاں ایک لڑکی خالدہ، روشنیوں کا شہر دیکھتی ہے۔ یہاں فراز نے لفظ "روشنی" کا لغوی معنی استعمال کرنے کی بجائے اصطلاحی طور پر مستقبل کے حسین اور سہانے خواب دیکھنے کا مفہوم پیش کیا ہے۔ یہاں تاریک زدہ دریچہ خالدہ کے جذبات و احساسات کا ترجمان بھی ہے جبکہ خالدہ مستقبل کے حسین خواب دیکھتے دیکھتے اپنا تشخص اور اپنی پہچان کھو دیتی ہے وہ مقدر میں لکھی تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔

فی الحقیقت یہ ڈرامہ فراز کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتا ہے کہ اس میں انسانی رویوں کو باریکی اور کمالِ فن سے پیش کیا گیا ہے در حقیقت ہر انسان کے اندر ایک دنیا آباد ہے وہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اپنے باطن میں زندہ رہتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیالات و خواہشات، تمناؤں اور خوابوں کی چاہتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہی انسان کی تخلیقی طاقت کا سبب ہے۔ بلند پروازی، اعلیٰ تخیل اور معراجِ خیال بندی ہر انسان کا حق ہے۔ انسان کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ جیسا دکھائی دیتا ہے ویسا نہیں ہوتا۔ اس ڈرامے میں بھی خالدہ کا کردار ایک ایسی لڑکی کو پیش کرتا ہے جو خوابوں کی دنیا میں رہتی ہے اور اس کا کسی سے اظہار نہیں کرتی۔ فراز کا کمال یہ ہے کہ اس نے نفسیاتی سطح پر بھی اس کردار میں گہرائی پیدا کی ہے۔ اگرچہ خالدہ کو یہ روشنیاں اور چمک دمک پسند ہے مگر اس کا باپ اس پُر رونق شہر، اس کے ہنگاموں، رعنائیوں، جگمگاتے بازاروں اور چمکتی ہوئی بارونق راہوں سے خوفزدہ اور خائف ہے وہ اپنے آپ سے کلام کرتا ہے:

"تیرے ہنگاموں کی دنیا نور ہی نور
میرے دھیان میں تاریکی ہے میں مجبور
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
تو امرت یا زہر اے روشنیوں کے شہر اے روشنیوں کے شہر

ترقی پسند ہونے اور انسانی زندگی سے محبت کرنے کے ناطے فراز انسانی زندگی کے ایک ایسے رُخ کو پیش کرنے کی سعی کرتا ہے جہاں فرد اور اس کے ارد گرد کا معاشرہ ہے اس ڈرامے میں بھی وہ ایسے ہی گھرانے کو پیش کرتا ہے جو کہ اپنے ماحول اور معاشرے کا ستایا ہوا اور غربت و افلاس اور معذوری و مجبوری میں مبتلا ہے۔ یہاں خوابوں میں رہنے والی خالدہ زندگی کی اداسی، بے چینی، تنہائی، گھٹن اور دباؤ کا شکار ہے۔ وہ بارونق اور جگمگاتے روشنیوں کے شہر میں رہنے کے باوجود اپنے گھر کی کوٹھڑی میں رہتی ہے۔

وہ اپنے اس احساس کو دبانے کے لیے کھڑی میں کھڑے ہو کر روشنیوں کا نظارہ کرتی ہے پھر مصور کا کردار نہ صرف ڈرامے کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے بلکہ خالدہ کے لیے زندگی کا پیغام اور خوشگوار زندگی کی جھلک اسی مصور میں نظر آتی ہے وہ اسے دیوتا مانتی ہے مگر مصور اپنے فن اور تخلیقات سے محبت کرتا ہے۔ یہاں مصور کو ایک مایوس، بے چین اور بے رحم حقائق کا شکار دکھایا گیا ہے جو اپنی مصوری کو نکھارنے میں اپنے رنگ لہو کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ خالدہ اس کے خواب ٹوٹتے اور بکھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی جبکہ مصور خالدہ کو بار بار یہ احساس دلا کر کہ تم روشنی ہو۔ مزید ظلمت و تاریکی کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیتا ہے حالانکہ وہ تو مصور سے روشنی کی خواہاں ہے۔

در حقیقت مصور کا یوں اچانک چلے جانا اور خالدہ کا دریچے سے کود کر جان دے دینا، بنیادی طور پر ادھورے کردار ہیں۔ دونوں تلخ حقائق کا شکار اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل میں اپنی ذات کی تکمیل سے قاصر ہیں۔ مگر مصور کے چھوڑ جانے سے خالدہ کی دنیا میں اندھیرے اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دل میں خواہشات لیے جان دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ خالدہ کا بوڑھا باپ چیخ چیخ کر اس روشنیوں کے شہر ہی کو اپنی بیٹی کا قاتل کہہ کر ماتم کرتا ہے۔

تو ہی قاتل ہے میرا اور میری بیٹی کا
تو ہی قاتل ہے میرا اور میری بیٹی کا
اے چمکتے ہوئے شہر اے چمکتے ہوئے شہر

اصل میں فراز نے اس ڈرامے میں ایک لڑکی خالدہ کے ذریعے پورے معاشرے کو پیش کیا ہے۔ ہمارا سماج مجبور اور دوغلے پن کا شکار ہے۔ یہ ہماری زندگیوں کا ایک بھیانک رُخ ہے کہ ہمارے معاشرے میں روزانہ نجانے کتنے ہی لوگ روشنیوں کے خواب لیے موت کی تاریکی میں غرق ہو جاتے ہیں۔

ساحل کی ریت

فراز کا ڈرامہ "ساحل کی ریت" اس کے باقی ڈراموں سے منفرد ہے۔ کیونکہ یہ پورا ڈرامہ ایک ہی منظر میں مکمل ہوتا ہے اور اس ڈرامے کا کینوس بھی سلیمان نامی ایک ہی کردار پر مشتمل ہے۔ یہ فراز کی چابکدستی اور کمال جوہر ہے کہ اس نے ایک ہی کردار کے ذریعے کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔ اگرچہ اس ڈرامے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سلیمان کے ساتھ اس کے ہمزاد اور نبیلہ کا بھی کردار ای حوالہ موجود ہے لیکن انہی باقاعدہ کردار قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ کردار وہ ہوتا ہے جو حقیقت میں وجود رکھتا ہے، ہمزاد ایک ایسا کرداری حوالہ ہے جو سلیمان کے شور کی ہی آواز ہے جو کہ ماضی میں بیت جانے والے واقعات کو یاد دلاتا ہے۔ اس کی تنہائی اور مایوسی کو ختم کرنا چاہتا ہے جبکہ نبیلہ کا کرداری حوالہ ایک یاد ہے۔ ایک تخیلاتی آواز ہے جو آغاز میں ایک یاد بن کر ابھرتا ہے۔ اصلی کہانی تو صرف سلمان کے گرد گھومتی ہے اور اس کے خیالات مختلف تصویروں کے نقوش بنتے دکھائی دیتے ہیں۔

سمندر کی لہروں کے تصور کا شور، آبی پرندوں کے چہچہے اور ملاحوں کے گیت گونج رہے تھے۔ سلیمان خود کلامی کے انداز میں ساحلِ سمندر اور روشنیوں کی تعریف کرتا ہے وہ اپنی اداسی اور تنہائی پر افسردہ ہے۔ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر یہ سوچتا ہے کہ اس کی خاموش تاریک اور تنہائی زدہ زندگی میں کبھی اجالا اور رونق نہ آئے گی۔

اچانک اسے اپنے ہمزاد کی آواز سنائی دیتی ہے کہ کون ہو؟ کون ہو؟ میں تیرے قدموں کی آہٹ سے بھی بے خبر ہوں اور تو میرے خوابوں کی گونجار تک سن رہا ہے۔ پھر ہمزاد کہتا ہے کہ اگرچہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا مگر میں تیرے پاس ہوں اور کئی سالوں سے تجھے جانتا ہوں۔ سلیمان اسے کہتا ہے کہ اگر تو مجھے جانتا ہے تو میرا ہمزاد ہے تو کیا ہی اندازِ وفا ہے کہ تو مجھے سکون اور اطمینان بخشنے کے بجائے میرا مذاق اڑائے۔ پھر اس کا ہمزاد کہتا ہے کہ اس صدا کو غور سے سن۔ پھر سلیمان کو شور میں مانجھیوں کا یہ گیت سنائی دیتا ہے۔

رُت طوفانی گہرا پانی قدم قدم منجدھار
تیز ہوائیں دل دہلائیں منزل ہے دشوار
اے پنچھی ہشیار
اے پنچھی ہشیار

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

پھر سلیمان کا ہمزاد کہتا ہے کہ یہ زندگی کی آواز ہے مگر سلیمان کہتا ہے کہ نہیں غم برس، دو برس کا نہیں ہوتا بلکہ میں بیس سال سے اس سمندر پر آرہا ہوں۔ میرے محرمیوں کا کوئی مداوا نہیں۔ صرف تند و تیز لہریں ہی میرا نصیب ہیں۔ لہٰذا وہ راحت و سکون کے لیے خود کو ان تند لہروں اور موجوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے کہ یکدم اسے اس کا ہمزاد روک دیتا ہے اور اسے ہی اس کی محرمیوں کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ وہ سلیمان کو بیس برس پیچھے دھکیل دیتا ہے مگر سلیمان حیرت زدہ ہوتا ہے کہ وہ کونسا سمندر تھا جس سے میں نے پیاس بجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہمزاد کہتا ہے کہ نبیلہ۔

ڈرامے کے پورے کینوس میں سلیمان کا ایک کردار، سمندر کی لہروں، موجوں کا شور، پرندوں کی آوازیں اور گیت ڈرامے کو دلچسپ اور خوب صورت بنا رہے ہیں۔ منظر نگاری بھی کمال کی ہے۔ فراز نے اسے بڑی خوب صورتی سے انجام دیا ہے۔ تقریباً پورا ڈرامہ ہی یادوں پر مشتمل ہے۔ دنیا سے بیزار اور تنہائی کے مارے ہوئے شخص کو ماضی کی یادیں آنے کے لیے ساحل سمندر ہی کی ضرورت تھی۔ لہٰذا یہ فراز کا کمالِ فن ہے کہ اس نے اس مایوس و اداس منظر کشی میں بھی دلچسپی کا عنصر ڈال دیا ہے۔ جہاں نبیلہ کی یادیں سلیمان کے ماضی کا حصہ تھیں۔

فراز کی مکالمہ نگاری بھی خوب ہے۔ سلیمان کی پاسداری میں اس کا نبیلہ سے گفتگو کرنا اور ہمزاد کے مکالمے، یہ سبھی کچھ بہت سوچ کر پیش کیا گیا ہے۔ ڈرامے کا پہلا حصہ بہت خوبی سے انجام دیا گیا ہے۔ البتہ اس کے بعد سلیمان کے ایسے سوالات کی سمجھ نہیں آتی کہ جن کے ذریعے وہ محبت سے دور بھاگتا دکھائی دیتا ہے۔ البتہ مجموعی طور پر ان کے پُر تجسس مکالمے قاری کو گرفت سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔

زیر بحث ڈرامے سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ "ساحل کی ریت" وجودی احساس و فکر پر منحصر ہے۔ یہ طویل تمثیلی ڈرامہ در حقیقت آج کے ترقی یافتہ معاشرے پر کاری ضرب اور طنز ہے۔ یہ ڈرامہ اصل میں آج کے تیز رفتار دور میں بھی انسان کے اکیلے پن اور تنہائی کو ظاہر کرتا ہے۔ آج کے پُر آشوب حالات انسان کو اذیت ناک بیگانگی کی کیفیت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ آج کا انسان اپنے داخلی عمل میں ایجاب و انحراف کے صبر آزما حالات میں جکڑا ہوا ہے۔ یہی نقطہ نظر اس ڈرامے میں پوری شدت اور تہہ واری سے موجود ہے۔

ایک جانب وجودی نظریے کے حامل لوگ انسانوں کے حقیقی رشتوں میں ریاکاری، بے اختیاری، حرص و ہوس اور تصنع جیسی بندشوں سے آزادی چاہتے ہیں۔ ڈرامے میں سلیمان کا کردار بھی حقیقت پسند ہے کہ چند لمحوں کی قربت اور جسموں کے رشتے کبھی بھی نہیں ٹھہرتے۔ بلکہ یکدم گزر جاتے ہیں۔ مگر اپنے پیچھے پچھتاوا اور آلام چھوڑ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس روحانی قربتوں کے رشتے کتنے ہی پرانے کیوں نہ ہوں، ان کی محبت میں کوئی کمی نہیں آتی، بلکہ یہ پچھتاوا بننے کی بجائے امر ہو جاتے ہیں۔ اس ڈرامے کے پس نظر میں سلیمان اور نبیلہ کے درمیان در حقیقت یہی روحانی قربت عظیم محبت استوار ہے۔ مگر ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ وقت کی ریت اس عظیم رشتے کو فنا کر دیتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مایوس و اداس ماحول میں بھی احمد فراز سلیمان کی زبان سے سماجی ارتباط اور پُر حوصلہ خیالات پیش کرتا ہے۔ لہٰذا سلیمان مانجھیوں کی زبان میں کہتا ہے کہ

جیون اس طوفان ساگر
ہر دم موج کے ریلے
تنہائی کا سفر کڑا ہے
ساتھ کسی کو لے لے
کس نے اکیلے صدمے جھیلے
کون ہوا ہے پار
اے مانجھی ہشیار

موم کے پتھر

"موم کے پتھر" ڈرامہ احمد فراز کے شعری مجموعے "میرے خواب ریزہ ریزہ" کا تیسرا منظوم ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامے کی ابتداء بغیر کسی منظر کے ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر اس ڈرامے کی کہانی روایتی ہے۔ ایک نوجوان فنکار ایک خوب صورت لڑکی سے عشق کرتا ہے وہ اپنی محبوبہ کے جسم کی قربت کے چند لمحوں کو حاصل کرنے کے لیے اسے آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی محبوبہ جب اسے اپنا معیار محبت بتاتی ہے تو وہ فنکار از خود اس فیصلے پر بخوشی رضامند ہو جاتا ہے۔ مگر آخر میں عالیہ ایک مشرقی لڑکی ہونے کے ناطے اپنے باپ کی محبت اور اس کے احترام میں اپنی چاہت قربان کر کے آتش ایثار میں خود کر فریدوں سے جدا ہو جاتی ہے۔

اس ڈرامے کو قلمبند کرنے کا مقصد نہ صرف عورت کی معراج ایثار کی پیش کش ہے بلکہ یہ اس کے اس نفسیاتی پہلو کو بھی واضح کرتا ہے کہ عورت سراسر پیکر عشق ہے۔ اس کا یہ عشق اس کے عاشق تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں اور بھی بہت سے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالیہ نہ صرف فریدوں کو اپنی محبت کا حق دار سمجھتی ہے بلکہ وہ ایک وفاشناس اور باوقار بیٹی ہونے کی بدولت اپنے باپ کے اعتماد کو بھی ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔ اس بات کا ثبوت ہمیں یوں ملتا ہے کہ وہ قربت و محبت کے لمحات میں بھی فریدوں کو یہ سب کچھ نہ کرنے پر رضامند کر لیتی ہے۔ پھر جب اس کا باپ اس کی شادی اس سیاح سے کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے باپ کو انکار نہیں کرتی۔ احمد فراز فلسہ غم وہاں خاص طور سے اجاگر کرتا ہے جب فریدوں عالیہ سے کہتا ہے:

عجیب بات ہے عالیہ
ہم بظاہر جسے دکھ سمجھتے ہیں۔۔۔

اس ڈرامے میں کل پانچ کردار موجود ہیں۔ جن میں تین کردار یعنی عالیہ، فریدوں اور عالیہ کا پروفیسر باپ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ باقی دو کرداروں یعنی بوڑھے اور سیاح کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اس ڈرامے میں کرداروں کا بخوبی انتخاب کیا گیا ہے۔ ڈرامے کے کرداروں کے انتخاب میں فراز شعور و احساس، زندگی کے تجربے، مشاہدے، نظیرے اور بصیرت، اخلاقی اقدار، مذہب اور تاریخ کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

بڑی خوبی سے سمو دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ڈرامے کے تمام کردار پڑھے لکھے، باشعور، باسلیقہ، سلجھے ہوئے اور اعلیٰ اقدار کے مالک دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے پاس سرمایہ عالم موجود ہے۔ زندگی کے علم، تجربات اور بے رحم حقائق سے متعین حالات کے باوجود مایوسی اور محرومی کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر خود اخلاقی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر الزام لگاتے کے بجائے حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ڈرامے کا پلاٹ عمدہ ہے۔ کہیں جھول دکھائی نہیں دیتا۔ مکالمہ نگاری بھی کمال کی ہے۔ عالیہ فریدوں اور پروفیسر کے درمیان ہونے والی گفتگو میں ادبیت کی شان اور شکریت کا رنگ موجود ہے۔

اس ڈرامے کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ فراز نے اس میں ہومر، ملٹن، تانگ، فردوسی، شیکسپیئر، شیلے، بارن، خیام، حافظ اور غالب کے حوالے سے مؤرخ سیاح اور شاعر میں فرق پر بحث کی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فراز کا مطالعہ بہت وسیع ہے جس کو اس نے اپنے تکمیل فن کا ذریعہ بنایا ہے۔ بہترین آرٹ وہ ہوتی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی واردات کے پس پشت بڑے حقائق کا ادراک حاصل ہو۔ یوں یہ آرٹ کئی جہتوں کی حامل بن جاتی ہے۔

اس ڈرامے کا اختتام بہت عمدہ طریقے سے فراز نے کیا ہے۔ تمام کشمکش کو عالیہ صرف ایک فیصلے سے ختم کر دیتی ہے اور یہی فیصلہ اس کے ایثار و قربانی کی عظیم مثال بن کر ابھرتا ہے۔ یہی عالیہ کے کردار کی خوب صورتی اور احمد فراز کی تخلیق کا مقصد ہے۔

آخر شب کے ہمسفر

چونکہ فراز امن و آشتی کے پیامبر ہیں لہٰذا جنگ و جدل سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ جب وہ دنیا کو جنگ کی تباہ کاریوں کے سبب بدحال دیکھتے ہیں تو اسے پھولوں کی سیج پر دیکھنے کی خواہش لے کر اپنے نوکِ قلم سے جنگ کی مخالفت میں لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس امر کا اظہار انھوں نے اپنی نظم و غزل، تراجم، ڈراموں غرض ہر طریقے سے کیا ہے۔ زیر نظر ڈرامے کا موضوع منتخب کرنے میں ان کی جنگ سے نفرت کا اظہار ملتا ہے۔

"آخر شب کے ہمسفر" سے متعلق ثمرین طفیل لکھتی ہیں:

"یہ منظوم ڈرامہ نہایت مختصر ہے اور ایک عورت کی نفسیات کو بیان کرتا ہے کہ وہ کس طرح ایک رفیق کے ملنے سے اپنا پچھلا غم بھول جاتی ہے اور اپنے اوپر ہوئے احسان کو ہمیشہ یاد رکھتی ہے۔ فراز نے اپنے انداز سے اس ڈرامے کو منفرد کیفیت میں ڈھالا ہے۔ ڈرامے کا اختصار ہی اس کے مرکزی خیال کی خوبصورتی ہے۔8

ڈرامے کی ابتداء ایک خوفناک منظر سے ہوتی ہے یعنی رات کا اندھیرا اور سناٹا ہے کہیں کہیں سے چمگادڑوں کے پھڑ پھڑانے اور اُلو کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اس خاموشی اور سناٹے کے عالم میں وقفے وقفے کے بعد بھاری فوجی بوٹوں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ کہیں بہت دور گولی چلنے کی آواز آتی ہے مگر پھر سے دوبارہ سناٹا چھا جاتا ہے اور ایک نوجوان عورت کے کراہنے کی آوازیں ماتم کی صورت میں سنائی دیتی ہیں۔ فوجی بوٹوں کی آواز تھم جاتی ہے سپاہی آواز کا پیچھا کرتا ہے۔ اس کے سامنے ڈھیروں لاشیں موجود ہیں۔

اس ڈرامے کے دو مرکزی کردار ہیں اور یہی کردار کہانی کی تکمیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایک سپاہی کا کردار جو کہ بظاہر بہادر، شجاع، مضبوط اور طاقتور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انتہائی نرم دل ہے۔ اس کے من میں خوف ترحم کے جذبات کثرت سے موجود ہیں۔ دوسرا کردار ایک ایسی نوجوان عورت کا ہے جو کہ بظاہر تو کمزور و بے بس ہے مگر اس کے شوہر کی موت نے اس کے دل سے لاش کا خوف ختم کر ڈالا ہے۔ اور وہ عالم دیوانگی میں اپنے شوہر کی لاش ڈھونڈنے کے لیے دشمن کے علاقے میں بھی آجاتی ہے۔ در حقیقت ان دونوں کرداروں کے درمیان ایک ذہنی الجھن اور کشمکش کی سی کیفیت موجود ہے اسی طرح سے جب عورت جنگ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہ کاریوں کے سناٹے اور خوف و ہراس زدہ ماحول میں اپنے مقتول شوہر کو ڈھونڈتی ہے تو سپاہی سے کہتی ہے:

اگر تو نہیں تو کوئی تیرا ہم جنس ہو گا
کہ قاتل تو سب ایک ہیں
ایک سے ہیں
مجھے اس نے کہا
کس کے خنجر سے گھائل ہوئی ہوں
مجھے اس سے کیا
کس کی مشعل کے شعلے نے میرا جہاں پھونک ڈالا
وہ خنجر تیرا ہو یا تیرے ہمراہوں کا
آگ تو نے لگائی ہو یا تیرے ہمراہوں نے
میرا آشیاں تو جلا

شعری مجموعہ "میرے خواب ریزہ ریزہ" 1972ء میں شائع ہوا جبکہ 1971ء میں ہونے والی ہند و پاک جنگ اور اس کی تباہ کاریاں فراز کے دل و دماغ اور اس کے خوفناک مناظر اس کی آنکھوں میں ابھی تک موجود تھیں۔ لہٰذا فراز نے اس تمام تر وسیع منظر کو اپنے کینوس میں شامل کر کے اس تخلیق کا شاہکار بننے میں مدد دی۔

اس ڈرامے کے ذریعے فراز نے ایک بار پھر عورت کی بے مثال محبت کو اجاگر کیا ہے۔ ڈرامے کی کردار عورت اپنے شوہر سے جس قدر محبت اس کی زندگی میں کرتی ہے اسی شدت سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اس کے مر جانے کے بعد بھی کرتی ہے۔ غرض وہ بڑی دلیری سے ایک ایسے تاریک روز آسیب زدہ گوشے میں آ کر اپنی سچی وفا کا ثبوت پیش کرتی ہے جہاں موت منہ کھولے اس کی منتظر ہے اور آخر میں جب وہ اس سپاہی یا اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے جانے والے اپنے محبوب شوہر کی لاش اس سپاہی کے حوالے اس بنا پر کر دیتی ہے کہ کہیں یہ سپاہی بھی اپنی لاپرواہی کے باعث موت کا شکار نہ ہو جائے تو یہاں بھی وہ عورت اپنے جذبہ ایثار و قربانی کی عظیم مثال قائم کر دیتی ہے۔

بودلک

احمد فراز کا منظوم ڈرامہ "بودلک" دراصل ایک افریقی ادیب کے ڈرامے "The Oda oak" سے اخذ کیا گیا ہے۔ فراز اس ڈرامہ کو ایک افریقی ادیب کے کھیل "Oda oak" کا فرستان کی یادوں کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔ فراز کا اس ذیل میں یہ بیان قابل توجہ ہے۔

"البتہ ایک شام جس کا پورا تاثر میرے دل و دماغ میں نقش ہو گیا وہ کافر دوشیزاؤں کا رقص تھا اور اس کی سرخیل کشان بی بی کا حسن اور دلفریب شخصیت تھی۔ یہیں مجھے غالب کا مصرعہ بار بار یاد آیا

وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

چنانچہ پشاور پہنچتے ہی میری پہلی تخلیق کشان بی بی تھی جو میرے کتاب نایافت میں شامل ہے۔ دوسری تخلیق بودلک کا منظوم ڈرامہ ہے جو کافرستان کے بعض روایتی کرداروں اور کچھ افریقی مصنف اوڈااوک کا ملعوبہ ہے۔ میں اسے نہ تو ترجمہ کہہ سکتا ہوں اور نہ ہی adaptation۔ جب ریڈیو پاکستان پشاور نے جشن تمثیل کے لیے کھیل کا تقاضا کیا تو میرے ذہن میں کافرستان کے کردار، وہاں کے رسم و رواج اور محبت و رقابت کے جذبات لشکارنے لگے۔ چنانچہ میں نے یہ منظوم ڈرامہ لکھنا شروع کر دیا۔9

لہٰذا یہ ڈرامہ فراز کے تخیل اور کافرستان کی یادوں کی عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ منظوم ڈراما روایت پرستی اور ایک عورت کی نفسیات کے ارد گرد گھومتا ہے۔ اس کا پلاٹ معاشرتی موضوعات سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک اچھے پلاٹ کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس میں علو تخیل ہو لیکن اس کی بھی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ بہت زیادہ بلند پروازی بھی ڈرامہ کی کہانی کو ناموزوں اور خلافِ فطرت بنا دیتی ہے۔ لیکن فراز کا کمال یہ ہے کہ تخیل کی پروازی کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے عام زندگی کے سیدھے اور سچے جذبات اور معتبر واقعات کو دلچسپ مکالماتی پیرایہ بیان کو نظم کی لڑی میں پرویا ہے۔ جو اس منظوم ڈرامے کی دلچسپی اور کامیابی کا ضامن ہے اور سادگی و پرکاری کے حسن سے آراستہ ہے۔ اس ڈرامہ میں نامناسب کھینچ تان اور بے ربط کڑیاں نہیں جوڑی گئی ہیں جو ایک اچھے ڈرامے کی پہچان ہے۔ پلاٹ کو ڈرامہ کا بنیادی پتھر کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے فراز کا یہ منظوم ڈرامہ مضبوط اور مستحکم دکھائی دیتا ہے۔

بقول محبوب ظفر

"اس ڈرامے کے کل چار منظر ہیں۔ بودلک اس کا مرکزی کردار ہے۔ ڈرامہ نگار نے انتہائی مہارت کے ساتھ کہانی کا تانا بانا بنا ہے۔ کرداروں کے درمیان کہیں بھی دوری کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ سارے کردار پوری ہم آہنگی کے ساتھ چلتے اور بولتے دکھائی دیتے ہیں ایک اور عجیب بات ان ڈراموں کی شاعری ہے۔ لائنیں اتنی پُر اثر اور جاندار ہیں کہ سننے والا ان کے سحر میں کھو جاتا ہے۔ کرداروں کے ہجے حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک خاص علاقے کی بود و باش کے حوالے سے لکھا گیا ڈرامہ ہے۔ مگر اس میں غضب کا ڈرامائی عنصر پایا جاتا ہے۔ اپنے آغاز سے لے کر انجام تک یہ ڈرامہ پوری ڈرامائی خصوصیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ کرداروں کے لہجوں کا اتار چڑھاؤ، ان کی زبان، سوچ اور ادائیگی اتنی خالص اور حقیقی ہے کہ اس پر زندگی کے سارے امکانات صادر آتے ہیں۔"
10

ڈرامے کی ابتداء پہلے منظر سے ہوتی ہے یعنی بودلک جو کہ وادی کا مضبوط بیٹا ہے۔ اپنے فلسفی دوست قلش کے ساتھ محوِ گفتگو ہے۔ بودلک قلش سے کہتا ہے کہ بتاؤ کیا کوئی اچھی خبر لائے ہو؟ پھر مزید کہتا ہے کہ وہ تمام رات جاگتا رہا کیونکہ ایک خوب صورت دلہن کی جوان گرم سانسوں سے میرا بدن ایک وحشی بنا تھا۔ لیکن تمھیں میری بے بسی اور مجبوری کا اندازہ نہیں ہے۔ اس پر قلش کہتا ہے کہ پاک معبد کا درویش یہ نہیں چاہتا کہ وہ تیرے بارے مجھ سے باتیں کرے کیونکہ میں بستی کے پیرانِ دان کے ادراک میں ناپسندیدہ ہوں۔ بودلک قلش سے کہتا ہے کہ اس کڑے وقت میں تم مجھ سے الگ نہ ہو میرے دوست میرا ساتھ دو۔ بودلک کو اپنی دلہن کے وصل کی خواہش مضطرب رکھتی ہے وہ اپنی دلہن کی بھی تنہائیوں اور محرومیوں سے باخبر بذاتِ خود اس سے بغلگیر ہونے کا شدید خواہش مند ہے لیکن وہ اپنے بزرگوں کی اس راسخ العقیدگی کہ پہلا بچہ ارواح کو خوش کرنے کے لیے بھینٹ چڑھایا جائے گا۔ پر اپنی دلہن کو چھونے سے خوف زدہ ہے۔ کہ اگر اس سے یہ غلطی سرزد ہو گئی تو چاند اس کا تعاقب کریں گے۔ یوں نو ماہ بعد اسے اپنے لختِ جگر کو قربان کرنا پڑے گا۔ قلش بودلک کو پھر سے سمجھاتا ہے کہ نئی دلہن کو نہ چھونا بے وقوفی ہے اور یہ کہ اگر میں تیری اس بے قراری کو کہ تو اپنی پیاسی دلہن سے قریب ہونے کے منہ زور خواہش سے پاگل ہوا جا رہا ہے کو جانتا ہوں، مگر میری نئی حکمت، نئے افکار اور عقائد درویش دانا کی نظروں میں ناقابل درگزر جرم ہوں گے۔ یوں میرے اپنے ہی لوگ میرا خون پی لیں گے۔ بے شک میں اپنے لوگوں سے مختلف سوچنے لگ گیا ہوں۔ مگر میں اپنے ان نئے افکار اور نظریات کی وجہ سے زندگی کو گنوا نہیں سکتا۔ اے قبیلے کے مضبوط فرزند بودلک تیرے اور بات ہے اگر تو نئے راستے پر چلے گا تو لوگ تجھ سے ناخوش نہ ہوں گے کیونکہ تو فخر اور سروری کی علامت ہے۔ اس پر بودلک کہتا ہے کہ اگرچہ میں بظاہر قبیلے کا سب سے توانا اور باہمت شخص ہوں مگر در حقیقت اتنا ہی مجبور اور سب سے فروتر ہوں۔ سب میرے طاقت دیکھتے ہیں مگر میرے دل سے اٹھنے والی دلدوز چیخیں میرے اسلاف کو سنائی نہیں دیتیں مجھے اپنی قوت اور طاقت پر جتنا بھی گھمنڈ اور تکبر ہو وہ کم ہے۔ مگر اب میں اپنی دلہن کے بھڑکتے ہوئے جسم کو اپنی باہوں میں لینے سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ میرے سامنے اس کا انجام وہ معصوم بچہ ہے جو قبیلہ کے مضبوط بیٹے کا فرزند اول ہو گا اور ہمیشہ کی طرح روحوں کی آسودگی کے لیے لائق قتل ہو گا۔ اے قلش! خواہ کچھ بھی ہو میں ہرگز اسے بازوؤں میں نہیں لوں گا۔ اگرچہ میں جی سے یہی چاہتا ہوں۔ میرے دوست مگر نو ماہ کا فاصلہ کچھ نہیں اور پھر؟ قلش کہتا ہے کہ آنے والے زمانے کا غم بزدلی ہوتا ہے۔ لوگ تمہاری دلہن کو ہوسناک نظروں سے دیکھیں گے اور قبیلہ کے فرزند اعلیٰ کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اس پر بودلک کہتا ہے کہ میں تو خود اس کی قربت کی خواہش رکھتا ہوں مگر میں نہیں چاہتا کہ میرے اور ژگولہ جو کہ بودلک کی بہن ہے کے خوں سے عبارت ننھی جان محض مُردوں کی کاذب مسرت کی خاطر فنا ہو۔ ان کی اسی گفتگو کے دوران ژگولہ نمودار ہوتی ہے۔ بودلک اس کا سامنے سے کرنے قاصر ہے لہٰذا کہتا ہے کہ میری بد مقدر دلہن اس طرف آ رہی ہے۔ قلش میں یہ چلایہ کہہ کر بودلک چلا جاتا ہے اور ژگولہ قلش کے قریب آ کر کہتی ہے کہ میرا سورما ان کے اجالوں میں مجھ سے آنکھیں چراتا ہے اور شب کے اندھیروں میں میرے بھڑکتے نفس سے ڈرتا ہے۔ تم نئی سوچ کے مدعی ہو تو کیا تمھارا تدبر ہماری مدد کر سکتا ہے؟ یہ سن کر قلش کہتا ہے کہ مجھ میں جرات نہیں ہے کہ میں پیر دانا سے اس سلسلے میں ملوں اس پر ژگولہ کہتی ہے کہ مجھے اس کا پہلے ہی اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے لیے سخت دشوار ہے مگر میں فطری ضرورت سے مجبور ہوں جبکہ میں نو ماہ کی مختصر عمر کو خضر کی زندگی پر بھی ترجیح دوں گی۔ اب تو وادی کی تمام عورتیں سرگوشیوں میں مجھ پر طنز و طعن کرتی ہیں اور مجھ بانجھ کہتی ہیں۔ ان کو کون بتائے کہ میرا بدن تو لمس کی لذتوں کو ترستا ہے۔ عروسی کے لمحے سے اب تک میں نہیں ہنسی شاید قلش تم بھی مجھے ایک بے کار عورت سمجھتے ہو؟

قلش کہتا ہے میں بھی درد تنہائی سے آشنا ہوں لہٰذا مجھے تمھاری اس حالت کا احساس ہے جب جذبات کی آگ راہ نہیں پاتی تو اندر ہی اندر بدن کو جھلسا دیتی ہے۔ اس پر ژگولہ کہتی ہے کہ کیا ہمارے بزرگوں کی روحیں یہی چاہتی ہیں کہ ہمارے بدن ایک دوسرے کے لیے ترستے رہیں، ژگولہ قلش سے کہتی ہے کہ وہ اس کے بدن کی پیاس بجھائے مگر لقش نہیں مانتا۔ ژگولہ اسے بہت زیادہ قائل کرتی ہے اپنی محرومی اور مجبوری کا دکھ سناتی ہے۔ آخر کار قلش مان جاتا ہے اور ژگولہ سے کہتا ہے کہ اگرچہ یہ سب سے بڑا پاپ ہو گا مگر اسے قیامت کی جو یا میں ایسا کروں گا۔

اب دوسرا منظر شروع ہوتا ہے۔ نویں چاند کا آغاز ہے۔ جبکہ قلش حاملہ ژگولہ کو سہارا دیتے ہوئے محفل ہو مگر یہاں آتے ہی قلش اس تمام تر صورتحال کا الزام ژگولہ پر لگا دیتا ہے کہ تمہاری وجہ سے مجھے بھی اس کی سزا بھگتنا پڑے گی حالانکہ وہ خود بھی اس میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ اس پر ژگولہ کہتی ہے کہ یہ تم مرد بھی کیسی مخلوق ہو جو غم زندگی سے شراب مسرت کے خواہاں تو ہوتے ہیں پر اس کی قیمت ادا کرنے سے جی چراتے ہیں اور آخر میں ہی بے مدد گار مائیں یہ قرضہ چکاتی ہیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ اجنبی حملہ آور نئی حکمتوں کے عوض تیری مردانگی لے گئے ہیں۔ بتا کیا تیری دانش تو کو تری آگہی اس قدر بیچ ہیں قلش کہتا ہے کہ میری مان اور یہاں سے نکل چل۔ ژگولہ کہتی ہے کہ حیا کر منافق! میں تیری زرد آنکھوں میں کاسنی مکر کی جھلکیاں دیکھتی ہوں، پھر کراہتے ہوئے کہتی ہے:

"ذرا صبر اے میرے اندر کی مخلوق میں ریزہ ریزہ ہوئی جا رہی ہوں۔ اے آفت جسم و جاں تیری پاکوبیوں سے مری کوکھ چھلی ہوئی جا رہی ہے۔ قلش پیر دانا کو بلاتا ہے۔ غار کے اندر سے بوڑھے کی آواز آتی ہے کون؟ پھر وہ باہر آتا ہے اور کہتا ہے کہ سحر تو ہو چکی ہے مگر روشنی کیوں نہیں، پرندے آشیانوں میں خسی خوف سے سہمے ہوئے ہیں کیا ہوا ہے کہ سورج بڑی سر دمہری سے پیش آ رہا ہے؟ پھر قلش سے پوچھتا ہے کہ تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ قلش کہتا ہے کہ تجھے غیب کا علم ہے اے مقدس پروہت، میں ترغیب کے دام میں آ گیا تھا۔ پیر دانا، قلش سے کہتا ہے کہ اگر تو مر گیا تو تیری روح بھٹکتی اور ہمیشہ کالے عذابوں میں ہر دم رہے گی اور اگر تو زندہ رہا تو دم مرگ تک تیری بستی کی سب بدزبان عورتیں تجھے کوستی رہیں گی اور بستی کے لڑکے تری موت تک تجھ کو نفرت سے دیکھیں گے۔ پھر وہ پیر دانا ژگولہ سے مخاطب ہوتا ہے کہ تو عمر بھر اس حصار شکم سے آزاد نہ ہو گی۔ اے بے وفا اے گنہگار عورت تیری کوکھ کالو تھڑا پاک روحوں کی نظروں میں ناپاک ہے ناپسندیدہ ہے اور مبارک چڑھاوے کے قابل نہیں ہے۔

یہاں سے تیسرے منظر کا آغاز ہوتا ہے۔ دوپہر ہو جان کے باوجود اب تک کہیں بھی روشنی کی کرن موجود نہیں ہے۔ اتنے میں دور سے قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے اور بودلک بستی کے پیر دانا کے ہمراہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ پیر دانا سے مخاطب ہوتے ہیں کہ ہم مردوں کی روحوں سے بخشش کے طالب ہیں تاکہ سورج کی روشنی اور حرارت میسر آ سکے۔ بودلک بھی سورج کی گرم کرنوں کا خواہش مند ہے ژگولہ بودلک سے شکوہ کرتی ہے کہ تو نے مجھ سے کہ تیری زن منتخب تھی، کنارہ کیا۔ بودلک بتاتا ہے کہ جسموں کی قربت کا مفہوم ایک پیکر نو کی صورت گری ہے اور اس کا انجام مُردوں کی آسودگی کے لیے ایک معصوم کا قتل ہے۔ یہ سن کر تمام بزرگ خائف ہوئے کہ اے تو اسی لیے اپنی دلہن سے گریزاں رہا تاکہ تیرے بزرگوں کا فرمان پورا نہ ہو۔ تیری بغاوت کی بدولت یہ بادل چھا گئے ہیں۔ بودلک اپنے دل کی بات بتانے کی ناکام سعی کرتا ہے۔ پھر قلش بھی اس تمام صورت حال کا سبب بودلک کو ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے کہ جو تو نے بویا وہ مجھے کاٹنا پڑا رہا ہے۔ تیری خطا کی سزا مجھے دی جا رہی ہے۔ پھر بودلک اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ اس کی دلہن کے شکم میں اس کا بچہ نہیں ہے۔ پھر وہ ان بزرگوں سے اپنی سزا دریافت کرتا ہے ژگولہ درد سے دوہری ہوتی جاتی ہے اور پیر دانا اپنے فیصلے میں مصروف ہیں کہ آخر یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ بودلک اور قلش دونوں گنہگار ہیں۔ ایک باغی ہے تو دوسرا سازشی ہے۔ لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوں گے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک موت کا جام پی لے اور جو زندہ بچے اس کا طارک کی بیٹی ژگولہ جو کہ اب زچگی کی اذیت میں ہے، تازیانے لگاتی ہوئی ان گھنے جنگلوں کی طرف لے چلے جن میں وحشی درندوں کے مسکن ہیں۔ بودلک، قلش سے کہتا ہے کہ میرا دوست ہے اور میں بھائیوں سے بڑھ کر تجھے چاہتا ہوں۔ قلش کہتا ہے کہ میں تجھ سے لڑوں گا ورنہ بستی کی سب عورتیں طنز کے ڈنک سے مار دیں گی۔ پہلے تو بودلک نہیں مانتا پھر آخر کار وہ بھی رضامند ہو جاتا ہے پھر دونوں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ پہلا بڑا کہتا ہے کہ قلش مر گیا، ژگولہ درد سے چیختی ہے پھر بزرگ چلے جاتے اور پیر دانا بودلک سے کہتے ہیں کہ بودلک تم مقتول کی لاش اٹھاتے ہوئے ان گھنے جنگلوں کی طرف چل پڑو۔ اور اسے درد زہ میں گرفتار اپنے شوہر کو کوڑے مارتی ہوئی پاک روح کی سرزمین سے نکل جا۔

اب چوتھا منظر شروع ہوتا ہے ژگولہ درد سے دوہری ہو رہی ہے۔ ایک طرف بودلک قلش کی لاش کو کندھے پر ڈالے کھڑا ہے اور دوسری طرف پیر دانا ہاتھ میں کوڑا لیے نظر آتا ہے۔ ژگولہ کراہتے ہوئے بودلک کو مارنے سے انکار کر دیتی ہے۔ پیر دانا کہتا ہے کہ قبیلے کی رسموں کو تو مجھ سے بہتر جانتی ہے پھر بودلک ژگولہ سے کہتا ہے کہ اے میری بد مقدر دلہن، بھول جا میں تیرا کون ہوں؟ تازیانہ اٹھا اور مرے جسم پر اپنی ضربوں سے لہریں بنا کیونکہ مُردوں کی روحوں کے ہمراہ زندوں کے ارمان بھی منتظر ہیں۔ میں نے یہ اس لیے قبول کیا تاکہ تیرا بچہ عقائد کے سفاک پنجوں سے بچ جائے۔ آخر وہ رضامند ہو جاتی ہے بودلک کو مارنے کے لیے تازیانہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے کہ کرب سے دوہری ہو جاتی ہے اور تازیانہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

کہتی ہے کہ نہیں یہ نہ ہو گا کہ وہ جو میرا آدمی ہے میرا ہاتھ اس پر اٹھے، پھر کراہتے ہوئے گرنے لگتی ہے۔ بچے کی پیدائشی چیخ ابھرتی ہے اور ژگولہ مر جاتی ہے۔ اس طرف ہجوم بڑھنے لگتا ہے، بزرگ کہتے ہیں کہ اس کا چڑھاوا دو تاکہ ناراضگی ختم ہو۔ بودلک کہتا ہے کہ اگر صدقہ ایک جان زیاں ہے تو وہ ژگولہ کی صورت میں ہو چکا ہے۔ بزرگوں اور بودلک کے درمیان ایک بحث شروع ہو جاتی ہے۔ نومولود بچہ روتا ہے۔ بودلک بچے سے کہتا ہے کہ دو کہ ہم بدنصیبی کے نخچیر ہیں اے اندھیروں کی وادی سچ کی اذاں کہہ دو بر ترصداقت کی آواز اس خطہ جدل میں بے ثمر رائیگاں جائے گی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

پھر ہجوم کا شور اور بچے کا بلکنا سنائی دیتا ہے۔ آخر میں بودلک بچے سے کہتا ہے کہ

گائے جا دخترِ امن۔ تو گائے جا
تیری ماں زندگی سونپ کو تجھ کو خود مر گئی
اور تیرا باپ ممنوع سچ کا نشانہ بنا
گائے جا۔۔۔ دخرِ امن تُو
گائے جا۔ اے جہالت کی ظلمت میں پہلی
کرن گائے جا۔۔ گائے جا۔۔ جائے گا

پھر ہجوم کا شور بچے کی آواز پر غالب آجاتا ہے اور ڈرامہ پوری کامیابی سے اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

ڈرامہ "بودلک" چار مناظر پر مشتمل ہے۔ یہ فراز کا طویل ڈرامہ ہے جو کہ کلیات کے اسی (80) صفحات پر محیط ہے۔ در حقیقت اس ڈرامے کی کہانی علامتی ہے۔ اس ڈرامے کے تین مرکزی کردار ہیں۔ جن میں بودلک جو کہ وادی کا مضبوط بیٹا ہے، قلش جو بودلک کا فلسفی دوست ہے اور ژگولہ جو کہ بودلک کی منتخب دلہن ہے، شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم کردار پیر دانا کا ہے جو کہ پرویت ہے اور نخل مقدس کا غار میں رہتا ہے۔ اس کے علاوہ تین روحانی بزرگوں کے کردار ہیں جو کہانی کو آگے بڑھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس ڈرامے کا پلاٹ بہت عمدہ ہے۔ مکالمات کا بڑی خوبی اور چابکدستی سے استعمال کیا گیا ہے اور منظر نگاری اور جذبات نگاری پر خاص زور دیا گیا ہے۔ ژگولہ کی اپنے مرد کے لیے بے قراری دردزہ میں تڑپنا، بودلک اور قلش کا ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہونا اور آخر میں بچی کا رونا منظر نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ جبکہ بودلک اور ژگولہ کا ایک دوسرے کی قربت حاصل کرنے کے مضطرب و بے قرار ہونا، بودلک کا قلش کو اس بات راضی کرنے کی لاحاصل کوشش کرنا کہ وہ پیر دانا سے بات کرے کہ بودلک کی اولاد کو بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ ژگولہ کا بودلک سے محبت و احترام کا سلوک کہ وہ اپنے شوہر کو کوڑے نہیں مار سکتی وغیرہ جذبات نگاری کی بے مثال نظیریں ہیں۔

یہاں فراز نے ایک جانب انسان کی فطرت پر خصوصی روشنی ڈالی ہے کہ وہ محبت و قربت کا پیاسا ہے تو دوسری طرف عورت کی شدت محبت کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فراز نے دراصل بودلک کو وادی کا مضبوط بیٹا قرار دے کر طاقتور پاکستان کی صورتحال میں فوج کی علامت کو پیش کیا ہے۔

اس ڈرامے میں بودلک کو طاقتور اور مضبوط بدن کا مالک ہونے کے باوجود مستقبل سے خوف زدہ اور پریشان ظاہر کیا ہے جو کہ تخلیق کرنے سے خائف ہے۔ شادی ہو جانے کے باوجود بیوی سے گریزاں اور دور رہتا ہے کہ کہیں اس محبت کے نتیجے میں آنے والے معصوم پیکر کو قربان نہ کرنا پڑے۔ اس کے نزدیک بڑا مسئلہ تخلیق ہے جب کہ قلش ایک ایسا فلسفی ہے جو کہ تخلیق کار کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔ وہ سماجی اور اخلاقی اقدار کو چھوڑ اور توڑ کر تخلیق کرتا ہے۔ اگر بودلک قلش کی بات جان لیتا تو تخلیق کار کا اخلاقی حدود سے آگے گزرنا پڑتا نہ وہ موردِ الزام و سزا ٹھہرتا۔

محبوب ظفر احمد فراز کے ڈرامے کے فن پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"منظوم ڈرامے کی اس مشکل صنف میں احمد فراز نے وہ فنی کمالات دکھائے ہیں کہ انھیں ایک بڑا ڈرامہ نگار ہونے کا اعزاز دیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہمارا شاعر ڈرامہ نگاروں کی صف اول میں کھڑا نظر آتا ہے کچھ اس طرح کہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ شاعر بڑا ہے یا ڈرامہ نگار۔"11

مختصر یہ کہ احمد فراز جس قدر بڑے شاعر ہیں اسی قدر وہ ایک عظیم ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ اردو ادب میں ان کی حیثیت بطور شاعر اور بطور ڈرامہ نگار مسلم ہے۔ ایک بڑے فن کار کی در حقیقت یہی بڑی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ ہر فن کے میدان میں اپنے سکے بٹھا دے۔

حوالہ جات

1۔ ارسطو، بحوالہ: اسلم قریشی، "ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر"، لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن۔ ص74
2۔ ایضاً ص:109
3۔ مرزا ادیب، "بچوں کے ادب میں ڈرامہ"، مشمولہ: "بچوں کا ادب"، لاہور: مقبول اکیڈمی، 1988ء، ص:121
4۔ تاجور سامری، بحوالہ: حسن اختر، اردو ڈرامے کی مختصر تاریخ، ص:22
5۔ موہن سنگھ، ڈاکٹر، بحوالہ: قمر زیدی، "یادوں کی بازگشت"، مشمولہ ماہنامہ "ماہِ نو" (احمد فراز نمبر)، ص:292
6۔ محبوب ظفر، احمد فراز شخصیت اور فن، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، 2016ء، طبع دوم، ص:102
7۔ ایضاً، ص:104
8۔ ثمرین طفیل، احمد فراز کی ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2016ء، ص:208
9۔ فراز بحوالہ: ثمرین طفیل، ایضاً، ص180
10۔ احمد فراز شخصیت اور فن، ص:114
11۔ احمد فراز، بحوالہ: ثمرین طفیل، احمد فراز کی ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص:184